نقوش کے مکاتیب نمبر میں ادیبوں کے امراض

سلمیٰ، پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، قرطبہ یونیورسٹی پشاور

ڈاکٹر ستار خان خٹک، نگران مقالہ قرطبہ یونیورسٹی پشاور

ABSTRACT:

In 1957, Makateeb no of Naqoosh Lahore was published in 2 volumes. Thousands of Makateeb by 155 great writers have been published in this special issue. We can get numerous educational, literary and informative benefits from Makateeb and letters. Old Makateeb were valued because of that historical and autobiographical material which is obtained0 from Makateeb and Letters. Makateeb by great writers are significant from various aspects. This research article presents a comprehensive understanding of Makateeb no published in Naqoosh Lahore by those writers who described their own or family illnesses.

سال 1957ء میں نقوش لاہور کا مکاتیب نمبر دو جلدوں میں شائع ہوا تھا۔اس خصوصی شمارے میں 155 بڑے ادیبوں کے ہزاروں مکاتیب شائع ہو چکے ہیں۔ مکاتیب سے ہمیں بہت سے علمی، ادبی اور تاریخی معلومات ملتی ہے ۔پرانے مکاتیب کی اہمیت کی ایک بڑی بنیاد وہ تاریخی اور سوانحی مواد ہے جو مکاتیب کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ بڑے لکھاریوں کے مکاتیب ہر لحاظ سے بڑے اہم ہوتے ہیں۔اس تحقیقی پرچے میں رسالہ نقوش کے مکاتیب نمبر میں جن مکتوب نگاروں نے اپنے یا اپنے اہل و عیال کی بیماریوں کے احوال بیان کیے ہیں ان کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

خط کا آغاز زمانہ قدیم سے ہوا اگر یہ کہا جائے کہ خط کا وجود اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ انسانی سماج تو غلط نہ ہو گا۔ حضرت سلیمانؑ کا ملکہ سبا کے نام لکھے گئے خط کا ذکر قرآن پاک میں ملتا ہے۔اسی طرح اگر تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو خط کی اہمیت وافادیت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت محمدؐ نے غیر مسلم حکمرانوں خسرو پرویز، شہنشاہ ہرقل روم، نجاشی، منذر وغیرہ کو دین اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے خطوط لکھے۔اسی طرح خلفائے راشدین کے دور میں بھی بھی

گورنروں کو ہدایات واحکامات خطوط کے ذریعے ہی جاری کیے جاتے۔ حضرت علیؓ کے خطبات کا مجموعہ جو کہ "نہج البلاغہ" کے نام سے ہے میں حضرت علی کے مکتوبات بھی شامل ہے۔

غرض یہ کہ خط لکھنے کی روایت صدیوں پرانی ہے۔ یہ خط کبھی تبلیغ کی غرض سے لکھے گئے تو کبھی احکامات دینے کی غرض اور کبھی گھر بار سے دور رہنے والوں سے رابطہ کرنے اور خیر خیریت دریافت کرنے کی غرض سے۔ جب وسائل اور ذرائع آمدورفت نہیں تھے تو خطوط کبوتر کے ذریعے بھیجے جاتے اس کے لئے کبوتر کو تربیت دی جاتی گویا کبوتر قاصد کے فرائض بھی انجام دیتے تھے پھر رفتہ رفتہ ترقی ہوگی ڈاک کا نظام قائم ہو گیا اور ڈاک کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ خط بھیجے جانے لگے۔ ڈاکیہ کا کردار بھی خصوصی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

اردو ادب میں خط کو باقاعدہ ایک فن کا درجہ حاصل ہے۔ یوں تو اردو ادب میں مکتوب نگاری کی تاریخ پرانی ہے لیکن یہ خطوط ماضی کی راکھ میں دب چکے ہیں کیونکہ ابتدا میں اردو نثر فارسی سے متاثر رہی ہے اور یہ خطوط بھی فارسی کے تتبع میں لکھے گئے ہیں جو کہ عام قاری کی سمجھ سے باہر ہے۔ اردو ادب میں جب مکتوب نگاری کے فن کی بات کی جاتی ہے تو اردو غزل کے بے تاج بادشاہ مرزا غالب کا نام سب سے پہلے لیا جاتا ہے۔ غالب کے خطوط کی اردو ادب میں اتنی ہی اہمیت ہے جتنی انکی شاعری کی۔ کہا جاتا ہے کہ اگر دیوان غالب نہ ہوتا اور صرف خطوط غالب ہوتے تب بھی غالب غالب رہتے۔ غالب نے خط لکھنے کی قدیم روش ترک کرتے ہوئے جدت طرازی کو فروغ دیا۔ فارسی کے مشکل اور دقیق اسلوب کی پیروی کرنے کی بجائے عام فہم اور سلیس زبان میں خطوط لکھے اور یوں مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا۔ غالب کے خطوط کے مجموعے عود ہندی اور اردوئے معلی کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ غالب کے خطوط اردو نصاب میں بھی شامل ہیں۔ خطوط غالب کے علاوہ مولانا ابوالکام آزاد کے خطوط بھی اہمیت کے حامل ہے آپ کے جیل سے لکھے گئے خطوط جو غبار خاطر کے نام سے چھپ چکے ہیں نہ صرف اپنے عہد کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ چائے کی تاریخ سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔

خط کی اہمیت اور کردار سے انکار ممکن نہیں خاص طور پر اگر شعرا اور ادیبوں کے لکھے گئے مکاتیب کی بات کی جائے کیونکہ یہ مکاتیب نہ صرف اپنے عہد کی تہذیب و تمدن کے حسین مرقعے ہیں بلکہ ان خطوط کے ذریعے سے شعرا اور ادیبوں کی سوانح عمری پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اردو ادب کی ترویج واشاعت میں رسائل کا کردار بھی نمایاں ہے ان رسائل کے ذریعے نہ صرف نادر و نایاب اصناف ادب محفوظ ہیں بلکہ ادیبوں اور شعرا کے زیادہ تر خطوط بھی انہی رسائل کے ذریعے محفوظ ہے۔ نقوش کی بات کی جائے تو اس رسالے نے مکاتیب نمبر شائع کر کے ان نادر و نایاب خطوط تک عام قاری کی رسائی آسان بنائی ہے۔

ان مکاتیب سے ادیبوں کے عہد اور حالات کا ہی پتہ نہیں چلتا بلکہ ان کی زندگی کے دیگر حالات کے ساتھ ساتھ ادیبوں کو لاحق امراض کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہاں پر مکاتیب کی روشنی میں ادیبوں کو لاحق امراض پر بات کی جائے گی۔

امیر مینائی:

امیر مینائی کا اصل نام امیر احمد امیر مینائی تھا اور تخلص امیر تھا۔ لیکن ادبی دُنیا میں امیر مینائی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تبسم اپنے مقالے میں لکھتی ہے۔

"امیر مینائی ایک شریف النفس با اخلاق انسان تھے۔ آپ کی شخصیت میں جاذبیت تھی ،نہایت نیک طبیعت، پاک صورت، پاکیزہ سیرت اور فرشتہ خصلت انسان تھے۔ آپ گفتگو بھی نرم اور موثر انداز میں کرتے تھے۔ امیر کے مزاج میں منافقت، خوشامد، عداوت اور چاپلوسی کے بجائے انکسار پایا جاتا تھا۔ آپ ہر ایک کو برابر کا درجہ دیتے تھے اور ان کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آتے تھے۔ دوسروں کی مدد کرنے کو سعادت سمجھتے تھے۔ نہ کسی کی برائی کرتے تھے اور نہ سننا پسند کرتے تھے۔ آپ کی تہذیب کا یہ عالم کہ خدمت گاروں اور ملازموں کے ساتھ بھی عزت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ 1"

امیر مینائی کا مکتوب بنام دل شاہ جہاں پوری میں اپنی معذوری کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''جس بول کا دورہ اب کے سخت پڑا جس میں دو مرتبہ کا قاثاطیر سے کام لیا گیا خون کئی روز تک آیا۔ اب اللہ کی عنایت سے افاقہ ہے'' 2

احسن مارہروی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''میری طبیعت اچھی نہیں اور میرے گھر میں کئی عزیز بیمار ہیں'' 3

دل شاہ جہاں پوری کے نام ایک خط میں 21 اپریل 1899ء کو رام پور سے خط کے اختتام میں لکھتے ہیں۔

''میرے امراض کی حالت بدستور ہے۔ اللہ تعالی کا ہر حال میں شکر ہے'' 4

اسی 29 جولائی کے ایک مکتوب میں دل شاہ جہاں پوری کو لکھتے ہیں:

''معاف کیجیے گا بیمار تھا۔ایک دنبل نے جو ران میں نکل آیا تھا مہینوں مجھے بستر معذوری سے اٹھنے نہ دیا۔''5

22 ستمبر کے ایک مکتوب میں دل جہاں پوری کو لکھتے ہیں:

''مجھے اس زمانے میں جس بول کے متصل دورے پڑے قاثاطیر کی بار بار اذیت اٹھانے میں بالکل چُور ہو گیا۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی غزل دیکھنے اور آپ کے خطوط کا جواب دینے میں اس قدر تاخیر ہوئی۔''6

مولانا الطاف حسین حالی مکتوب بنام سید علی حسن۔پانی پت سے 18 اکتوبر 1910ء کے ایک مکتوب میں اپنی بیماری کا یوں ذکر کرتے ہیں:

''میں ایک عرصے سے علیل چلا جاتا ہوں اگرچہ اب تک کوئی مرض مہلک عارض نہیں ہوا مگر لکھنا پڑھنا بالکل چھٹ گیا ہے۔ ضعف بصارت اور ضعف دماغ نے مجبور کر دیا ہے۔''7

سید افتخار عالم کے نام ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

''میرے سر میں پانچ سات دن سے درد ہو رہا ہے اس وجہ سے اب تک میں ریویو نہیں لکھ سکا۔درد میں تخفیف ہو جائے تو انشاءاللہ تعالیٰ بہت جلد اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔''8

نواب محسن الملک:

پیدائش 1837ء بمقام اٹاوہ۔وفات 1907ء۔ آپ کا اصل نام نواب سید مہدی علی خان بہادر تھا۔سر سید احمد خان کے رفقاء میں سے تھے۔مولوی بشیر الدین کے نام ایک مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں۔

''اول تو آپ بیمار،اس پر کام کا انبار اور ایک انار صد بیمار۔''9

نواب محسن الملک 17 اپریل 1903ء کے ایک مکتوب میں مولوی بشیر الدین کو یوں لکھتے ہیں:

''رہا دہلی میں تکلیف پہنچا اس کے اکیلے آپ ہی شاکی نہیں بلکہ کم کوئی کانفرنس کا ممبر ہو گا جس کو تکلیف نہ پہنچی ہو میں ڈھائی مہینے برابر بیمار رہا اور میرے گھر کے لوگ تو اب تک اس

تکلیف سے جوان کو دہلی میں پہنچی فارغ نہیں ہوئے آپ تو درحقیقت وہاں بیمار ہو گئے تھے اور اسی کا سبب ہے کہ اب تک بیمار چلے جاتے ہیں۔ طاعون نے جو اس مصیبت کو دوبالا کر دیا وہ بھی ہماری ہی بدقسمتی ہے۔10؎"

مولوی نظام الدین حسن کے نام ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں

"میں بمبئی اور مدراس سے کانفرنس کے لیے کچھ چندہ جمع کرنے کی غرض سے علی گڑھ سے نکلا تھا مگر یہاں آ کر بیمار ہو گیا اور بیمار بھی ایسا سخت کہ کچھ کام نہیں کر سکتا۔ دو ہفتے سے تو میں کمرے سے باہر نہیں نکلا جب چلنا پھرنا نہ ہو تو چندہ کیوں کر مل سکتا ہے۔"11؎

مولانا شوکت علی صاحب کے نام 5 اپریل 1927ء کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"یوں تو ہم سب اچھے ہیں مگر گلنار کے برص کا علاج ہو رہا ہے اور حمیدہ کا علاج بھی حکیم تفضل حسین خان صاحب کا جاری ہے۔ امجدی کے پاؤں پر بھی کسی قدر کا زور ہے میں ویسے تو اچھا رہا مگر حکیم تفضل حسین صاحب کی گولیاں کھا رہا ہوں"12؎

ایک طویل ترین مکتوب میں مولانا شوکت علی دیگر بہت سی سیاسی اور کاروباری باتوں کے علاوہ اپنی بیٹی حمیدہ کی علالت کے متعلق بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں

"سب سے پہلے حمیدہ کی علالت ہے آپ کو معلوم ہے کہ دو برسوں سے بیمار چلی آ رہی تھی اکتوبر 1927ء میں اسے شملہ لے کر گیا اور اگرچہ وہاں جانے سے فائدہ ہوا مگر میرٹھ سے لوٹنے پر ملیریا نے شملہ میں بھی دبایا تھا۔ اور وہاں بھی ایک ہفتہ صاحب فراش ہی رہی تھی اور دہلی واپس آنے کے بعد پھر بے اطمینانی تھی 6 مئی 1928ء کو شادی ہوئی اور 30 مئی سے جو سلسلہ علالت کا شروع ہوا تو آج تک جاری ہے۔ ڈاکٹر انصاری کا ہمیشہ علاج ہوا تھا ،واپسی پر لیڈی ڈاکٹر کیمبل کا مسلسل علاج ہوتا رہا مگر فروری 1929ء میں حالت اور بگڑ گئی اور حالانکہ ان کا مس کین کا اور ڈاکٹر سنگھ کا consultation کرایا گیا۔ اور سنگھ کا علاج ہوا مگر کچھ بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ اب تک ملیریا ہی کا شعبہ ہوتا رہا اس کے بعد حکیم محمد احمد صاحب کا علاج کرایا گیا مگر فائدہ نہ ہوا ہاضمہ ہمیشہ سے خراب تھا قولنج کا درد برسوں سے اٹھا کرتا تھا۔ بہت ہی کم ایک وقت سے زائد کھانا کھاتی تھی مگر اب تو پیچش کے سے آثار

معلوم ہوئے۔ جسے سنگھ نے کونین کا اثر سمجھا۔ حکیم محمد احمد خان کی دوا سے آنون آنا بند ہوئی۔ پھر جب ڈاکٹر انصاری اوران کے ساتھی ڈاکٹر قریشی کا علاج کرایا گیا تو Bcillus coliکا شک گزرا۔ مگر s.k.sen Backeriologist کی رپورٹ سے ثابت ہوا کہ یہ بھی نہیں ہے تاہم قیاس کیا گیا کہ اسی کا اثر ہے۔اور ایک پچکاری کا سلسلہ شروع ہوا جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔اور بخار102 سے بڑھ کر 103,104اور105 تک پہنچ گیا۔تب جاکر ڈاکٹر انصاری نے اس کا اقبال کیا کہ بھائی ہم اب تک اس کے مرض کی تشخیص نہیں کر سکے۔اتنا جانتے ہیں کہ دق نہیں ہے تاہم ایک شب کو باہر سوتے ہوئے سردی لگی اور کچھ اوڑھانہ گیا جس سے حفیظ سیک آدھی خراش پیدا ہو گئی ہے اب ہم علاج میں پہلے کی طرح دق کی رعایت بھی رکھیں گے۔ایک ہفتہ یہ علاج جاری رہے اگر اس سے فائدہ نہ ہوا تو سول سرجن کو بلا کر دکھایا جائے تا کہ وہ کوئی آزاد رائے قائم کر سکے۔آج وہ ہفتہ ختم ہوتا ہے اور غالباً کل سول سرجن بلایا جائے گا روزانہ 102 بخار ہوتا ہے‘‘ 13؎

حکیم اجمل خان:

حکیم اجمل خان دہلی کے نامور حکیم اور ممتاز سیاسی رہنما تھے۔11 فروری1846 کو پیدا ہوئے۔1908ء میں حکومت ہند نے حادق الملک کا خطاب دیا۔شاعر تھے اور شیدا تخلص تھا۔شاعری کا مجموعہ چھپ چکا ہے26دسمبر1927ء کو رام پور میں انتقال ہوا۔

مولانا شوکت علی کے نام ایک مکتوب20اگست1925ء لبنان کے ایک چھوٹے سے قصبے عین زحلتا سے لکھتے ہیں:

’’آپ کو معلوم ہے کہ میں پانچ مہینے باہر رہ کر ہندوستان واپس آرہا ہوں اور میری لڑکی بھی علیل ہیں جس کے پاس میں ایک عرصہ تک قیام کروں گا۔اس لیے پھر مجھے کسی جلسے کی شرکت کے لیے سفر کرنا بہت دشوار ہوگا۔اگر آپ میری اس رائے کے ساتھ اتفاق کرے تو نوٹس جاری کر دے‘‘ 14؎

سائل دہلوی ابوالمعظم سراج الدین احمد نے احسن مارہروی کے نام ایک مکتوب30 جنوری1903ء میں دیگر علمی اور اشاعتی باتوں کے علاوہ اپنی علالت کا ذکر یوں کیا ہے۔

''میں سخت علیل ہو اور اپنی علالت سے نہایت مشوش ہوں۔ اللہ فضل کرے اگر یہی صورت میری شکایت دورہ دوران سر کی رہی تو مجھے علاج کے لیے ضرور دہلی جانا ہو گا۔ میں اچھا نہیں ہوں۔''15

ہمایوں مرزا بیرسٹر کے نام ایک مکتوب 11 مارچ 1908 میں ایک دوسری تحریر میں اپنی بیٹی کی علالت کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''انشاء اللہ تعالی 6 بجے اگر میں نہ بھی آپ کے ساتھ جاسکا تو آپ کے لئے گاڑی حاضر ہو جائے گی۔ ممکن ہے میں قبل و بعد جاؤں۔ میں اپنی بابت اس وجہ سے مشکوک ہوں کہ میری لڑکی علیل ہے۔ والسلام''16

24 نومبر 1909ء کے ایک طویل مکتوب میں احسن مارہروی کے نام اپنی بیماری کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''بدیون شریف سے واپس آتے ہی ایسا سخت علیل ہوا ہوں کہ اس وقت تک صاحب فراش ہوں۔ گاؤ تکیہ کے سہارے نیم دراز آپ کو خط لکھ رہا ہوں مرض نہایت مخدوش ہے۔ سول سرجن معالج ہے۔ اللہ مالک ہے۔''17

19 دسمبر 1926ء کا ایک طویل مکتوب پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی کے نام ہے۔ اس مکتوب میں نواب لوہارو کی علالت اور انتقال پر ملال کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

''اورنگ آباد پہنچا۔ پونا گیا واپسی میں آگرے دو روز رہا کہ دفعتاً نواب لوہارو کی حالت بری سنی وہاں سے واپس آیا۔ دو روز بعد ان کا انتقال ہو گیا۔''18

اسی مکتوب میں آگے رقمطراز ہیں:

''رام پور میں ڈاکٹر انصاری سے سنا کہ لالہ سری رام بھائی بہت علیل ہیں۔ وہاں سے ان کی مزاج پرسی کو خط بھیجا۔ کچھ حال نہیں معلوم ہوا اس سخت سردی کے موسم کے سفروں نے جوڑ جوڑ میں درد پیدا کر دیا ہے ذرا اس سے افاقہ ہو تو بھائی سری رام جی سے مل کر ان کو دیکھوں۔''19

بنام نواب میر حسن علی خان اس طویل مکتوب میں اپنے امراض کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''میں متواتر کئی سال سے مختلف امراض اور افکار کا تودا بنا ہوا ہوں نقرس کے دورے سخت سخت پڑتے ہیں اختلاج قلب کی شکایت مزید برآں ہے اب کے رمضان المبارک میں فیصلہ ہی ہو گیا تھا نا معلوم کیا نیکی بدی کا ارتکاب ابھی مقدر میں باقی ہے جو بچ گیا۔ یہ سال مجھ پر ایسا سخت گزرا ہے کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کریں۔''20ے

اسی مکتوب میں حکیم اجمل خان کی رحلت کا ذکر بھی ہے اس مکتوب میں سائل دہلوی نے اپنے کئی لواحقین کی رحلت کا ذکر کیا ہے جس سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ بہت سے یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کی ذمہ داری ان پر پڑی ہے حکیم اجمل خان کی موت سے لے کر اس کی سگی بھانجی کا 28 سال کی عمر میں بیوہ ہونا۔ ان سب اموات نے ان کے مالی خسارے میں اضافہ کیا ہے بہت سے مسائل کا ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہے:

"66 سال کی میری عمر، امراض ایسے شدید، صحت و عافیت کیا دمسازی کر سکتی ہے اپنے افکار میں بہت غلطاں و پیچاں ہوں کہ آپ جیسی محترم ہستی کو بھی خط پتر لکھنا بھول گیا ہوں۔''21ے

اس دور کے مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اس وقت امراض اور اموات کی شرح بہت زیادہ تھی اکثر نوجوان مرد اور عورتیں مرتی تھیں اموات کی شرح امیر و غریب گھرانوں میں ایک جیسی تھی۔ علاج معالجے کے فقدان کی وجہ سے معمولی بیماریاں بھی جان لیوا ثابت ہوتی تھی۔ تیس جنوری انیس سو پینتیس کے ایک مکتوب میں دل شاہ جہاں پوری کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں

''بھائی صاحب بہتر برس کا ہو چکا ہوں اس کہن سالی پر طرّہ یہ کہ مریض اختلاج قلب اور درد نقرس کا ہو گیا تو بیکار اگر اختلاج نے ستایا تو دیوانہ ہو جاؤ گا۔ اس شدید موسم میں مجھے کیوں یاد فرمایا جاتا ہے دل نہیں چاہتا کہ آپ کی دعوت کو رد کر دوں محبت اور خلوص کے الفاظ میں اپنے عنایت نامہ ارسال کیا ہے۔''22ے

دل شاہ جہاں پوری نے شاہجہاں پور میں ان کو ایک مشاعرے میں شرکت کرنے کی دعوت دی تھی سائل دہلوی سخت مالی پریشانیوں میں مبتلا تھے ان مالی پریشانیوں کی وجہ سے وہ شدید ذہنی دباؤ میں تھے۔ ان مکاتیب سے اندازہ

ہوتا ہے کہ اس وقت کے ادیب ہر لحاظ سے تنگدست تھے جس کی وجہ سے اکثر کو بیماریاں بھی لاحق تھیں۔4دسمبر 1938ء کے ایک مکتوب میں سید دل محمد فضا کو لکھتے ہیں:

''صحت میری خراب ہے پاؤں کی ٹوٹنے سے محتاج ہوں۔ سردار جگت سنگھ صاحب سے بعد سلام فرما دیجئے کہ اختلاج قلب کے دورے سے نجات ہو گی تو کچھ حاضر کر دوں گا۔''23ے

اعجاز سکندری نازش کے نام4جنوری1941ء کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اصرار احباب سے کچھ کہہ لیتا تھا اب آنکھوں میں پانی اتر آنے کی وجہ سے اس میں بھی کمی ہو گئی لکھنے پڑھنے میں دوسروں کا محتاج ہوں۔''24ے

منشی محمد دین فوق کے نقوش کے مکاتیب نمبر میں عبداللہ قریشی کے نام نو مکتوبات ہیں۔دراصل عبداللہ قریشی کے نام فوق کے بیسیوں مکتوبات ہیں مگر وہ ابھی تک چھپے نہیں ہے کیونکہ ان مکتوبات میں شاید چند نا قابل اشاعت باتیں ہیں شاید ان مکتوبات میں ان کے امراض کے متعلق کافی معلومات ہوں۔محمد دین فوق کے بزرگ کشمیر سے پنجاب آئے اور ضلع سیالکوٹ میں موضع گھڑتل کے مقام پر آباد ہو گئے۔منشی محمد دین فوق فروری1877 میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد پہلے پیسہ اخبار میں کام کرتے رہے پھر اپنا اخبار پنج ئے فولاد اور بعد میں کشمیری میگزین جاری کیا یہی میگزین ہفتہ وار کشمیری میگزین بن گیا جو متواتر کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت کرتا رہا۔کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت کے سلسلے میں منشی فوق کے کارنامے دنیا بھر میں روشن ہیں۔ان کی ادارت میں ''طریقت''اور''نظام'' بھی نکلتے رہے. کشمیر کی تاریخ اور اقوام کے متعلق بڑی اچھی کتابیں لکھیں۔ عام تاریخ کے متعلق ان کی کتابیں قابل قدر ہیں وہ بیک وقت اخبار نویس ہی تھے مورخ بھی اور اچھے شاعر بھی تھے۔تاریخ لاہور کے متعلق ان کا مسودہ غیر مطبوعہ ہے14اگست1945ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔ایک مکتوب میں محمد عبداللہ قریشی کے نام لکھتے ہیں:

''آج نہایت المناک حالات میں پروفیسر محمد علم دین سالک اور ماسٹر فضل الدین نور2بجے دوپہر کے لاہور روانہ ہو گئے خدا کرے وہ اپنے والد مرحوم کا منہ دیکھ سکیں آپ کے خط میں سالک صاحب کے والد محترم کی علالت کا کچھ ذکر نہ تھا۔غالبا ہارٹ فیل ہو گیا ہو گا ہم لوگوں سے ان کی صحت بدرجہا بہتر تھی کہ خداوند کریم مغفرت کریں مسافرت میں ایسے الم انگیز واقعات کا جو صدمہ ہوتا ہے۔میں بھی اس سے واقف ہوں'' 25ے

احمد شاعر قزلباش کا پورا نام آغا مظفر بیگ قزلباش تھا اور تخلص شاعر تھا 5 مارچ اٹھارہ سو سترہ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ 11 مارچ 1940ء کو دہلی میں وفات پا گئے۔ رسالہ مخزن میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے قرآن پاک کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔ عمر خیام کی رباعیوں کا منظوم ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ایک مکتوب تیرا دسمبر انیس سو اکیس بنام مہاراجہ کشن پرشاد میں لکھتے ہیں:

''شکر صد شکر اس مالک حقیقی کا بتاریخ 9 دسمبر 1921 بروز جمعہ بوقت چاشت برخوردار سعادت اطوار فرزند سوم بلند اقبال، آغا اقبال علی طولعمرہ پیدا ہو گیا مگر اس کے دوسرے ہی دن غریب مریضہ سیدانی بیگم صاحبہ کو اچانک غش آ گیا۔ نبض سرد پڑ گئی بس نہ پوچھیے لینے کے دینے پڑ گئے ڈاکٹر، لیڈی ڈاکٹر، تین دائیاں اور مہمانان خواندہ و ناخواندہ کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ خدا خدا کر کے تین گھنٹے تک موت اور زیست کے عالم کے بعد فضل الٰہی ہوا ابھی تک علاج جاری ہے 250 روپے سے اونچا اس تین روز میں ٹھیکری ہو چکا۔ مگر شکر ہے اس قادر و توانا پاک بے نیاز کا کہ کئی جانیں بچ گئیں۔''26ے

سیکرٹری آل انڈیا اردو کانفرنس کے نام دلی سے ایک مکتوب محررہ 16 دسمبر سن میں رقمطراز ہیں

''بندہ نواز سلام مسنون۔ یاد آوری کا شکریہ مزید شکریہ اس جلیل القدر انجمن کا جس کے اراکین نے اس ہیچ کارہ کو اپنی ہم بزمی کے لائق تصور فرمایا ورنہ دراصل بسبب ہجوم افکار و مسلسل علالت کے یہ فقیر اس قابل نہیں کہ کسی جلسے یا انجمن میں بیٹھ کر کوئی تبادلہ خیالات کر سکیں''27ے

ظفر الملک کا اصل نام اسحاق علی تھا۔ انگریزی قابلیت نہایت اعلی تھی رسالہ الناظر لکھنو کے قابل مدیر کی حیثیت سے ادبی دنیا میں روشناس تھے۔ پر جوش قومی و مذہبی رہنما تھے۔ دو کتابیں ان کی یادگار ہیں سیاسی رہنماؤں کے کارنامے اور الاشر ار اخبار مشیر بہار پٹنہ بھی آپ کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ 2 جنوری 1923ء پھولوں سے پروفیسر محمد مسلم پٹنہ کے نام لکھتے ہیں:

''گھر میں کئی ماہ سے سخت علیل تھیں۔ اب تک علاج کا سلسلہ جاری ہے چھوٹے بچے کا ختنہ کرا کے گیا روانہ ہوا تھا وہ بھی اب تک بالکل اچھا نہیں اور بڑے لڑکے کو اپنی بجائے ایک عزیز کی شادی میں شرکت کے لیے رامپور بھیجا تھا وہ بھی بیمار ہو کر واپس آیا ہے اور پڑا ہوا

ہے۔ علالتوں کے باعث خاطر خواہ زیر باری بھی ہوتی ہے اور وقت و فکر کا بھی صدقہ رہتا ہے مگر کیا کیا جائے ہر حال میں شکر ہے کہ اگر اس سے بدتر حالت ہو تو کیا کر سکتے ہیں۔"28ے

احسن مارہروی کے مکاتیب کے ضمن میں محمد عبداللہ قریشی نے نواب مرزا داغ دہلوی کے ایک مکتوب کا اندراج کیا ہے عبداللہ قریشی لکھتے ہیں:

"بات یہ تھی کہ مرزا داغ ان دنوں اکثر علیل رہا کرتے تھے ایک دفعہ ان کے انتقال کی جھوٹی خبر اخباروں میں شائع ہو گئی اور قطعات تاریخ وفات بھی چھپنے لگے مرزا داغ دہلوی نے خود اس کی تردید میں فوق کو لکھا۔ دشمنوں نے میری بد خبر اڑائی ہے اور حال یہ ہے کہ اب فضل الٰہی سے میں بخوبی صحیح و تندرست ہوں۔ بیماری جاتی رہی میں باقی رہ گیا دشمن داغ کا دل جلانا چاہتے ہیں ان کو داغ دل نصیب ہو فصیح الملک داغ دہلوی محبوب گنج حیدر آباد دکن۔"29ے

یہ خط یکم نومبر 1901ء کے اخبار پنجہ فولاد میں مرزا داغ کے تذکرے کے ساتھ شائع ہوا تھا۔

صفی لکھنوی:

صفی لکھنوی کا پہلا مکتوب جو نقوش کے مکاتیب نمبر جلد اول میں درج ہے محمد کبیر خان رسا جالندھری کے نام ہے یہ ایک طویل علمی مکتوب ہے مکتوب کا آغاز ان جملوں سے کرتا ہے۔

"بہت شرمندہ ہوں پورے دو مہینے آپ کے خط کا جواب لکھ رہا ہوں۔ کچھ مسلسل سفروں کی وجہ سے کچھ خرابی صحت سے مجبور رہا مہینے سے زائد مدت کے لئے تو بالکل صاحب فراش رہا نشست و برخاست میں تکلیف ہوتی تھی۔ کمر کے درد نے ایسا عاجز کیا تھا کہ کروٹ بدلنا دشوار تھا بحمدہ اب صحت ہے۔"30ے

یہ مکتوب 28 فروری 1926ء کا ہے جو انہوں نے لکھنؤ سے لکھا تھا۔ 8 جون 1927ء کے ایک مکتوب میں لکھنؤ سے محمد کبیر خان رسا جالندھری کے نام اپنے بھائی اور پھوپھی زاد بھائی کی بیماریوں کا یوں ذکر کرتے ہیں:

"بحمدہ اچھا ہوں۔ ظریف صاحب کو بفضلہ پہلے کی نسبت اب افاقہ ہے۔ مگر ابھی اچھی طرح اٹھ بیٹھ نہیں سکتے۔ تھوڑی دیر تک بیٹھے رہتے ہیں باتیں گردے میں چمک ہونے

لگتی ہیں علاج برابر ہو رہا ہے۔ میرے پھوپھی زاد بھائی جو مجھ سے بڑے تھے اور بمقام سیتاپور آنریری مجسٹریٹ و آنریری منصف تھے۔ بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ افسوس ہے کہ انہوں نے وفات پائی آئندہ اتوار کو ان کا چہلم ہے۔''31

صفی لکھنوی کے مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظریف بھی ادب سے تعلق رکھتے تھے اور شعر و ادب کے حوالے سے ظریف ان کے ممد و معاون تھے۔ 14 جون 1927ء کہ ایک مکتوب میں لکھنؤ سے محمد کبیر خان رسا جالندھری کے نام لکھتے ہیں:

''دماغ آجکل ایک تو گرمی کی شدت سے ہر وقت بے کیف رہتا ہے اور حواس مختل ۔دوسری وجہ پریشانی خاطر کی یہ ہے کہ میری چھوٹی بہو ہفتہ عشرہ سے تپ میں مبتلا ہے 104 ڈگری تک بعض اوقات بخار پہنچتا ہے اور قریب بہ سرسام حالت پہنچ جاتی ہے اس لیے طبیعت یکسو نہیں رہتا بیشتر دل متفکر رہتا ہے۔''32

دل شاہجہاں پوری کے نام متعدد مکاتیب میں اپنی صحت کا ذکر کرتے رہتے ہیں ایک مکتوب میں یوں رقم طراز ہیں:

''چاہتا ہوں کہ بالاستیعاب اسے دیکھ کر اپنی مختصر رائے پیش کر دوں مگر بوجہ ناسازی مزاج و ہجوم افکار اس کی نوبت نہیں آئی۔''33

اسلامیہ کالج پشاور کے طاہر فاروقی کے نام دو مکتوبات میں اپنی خرابی صحت کا رونا یوں روتے ہیں:

''اب چند سال سے امراض پیری نے ایسا کمزور کر دیا ہے کہ ان مقامات پر بھی نہیں جا سکتا جہاں التزاماً شریک ہوتا رہتا تھا کیا کروں ایک تو خلقتہً کمزور ہوں اس پر طرہ یہ کہ کئی برس سے خونی بواسیر کے مرض میں مبتلا ہوں جس کے دورے سال میں دو تین بار ضرور ہوتے رہتے ہیں اور اس زمانے میں نقاہت اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ گھنٹہ آدھ گھنٹے بھی مسلسل بیٹھ نہیں سکتا زیادہ تر بستر پر پڑا رہتا ہوں میری موجودہ حالت اب کسی طرح اس قابل نہیں کہ سردی کے زمانے میں سفر کروں یا مشاعرے میں رات بھر بیٹھوں میرے لیے ایسی جسارت خود کشی کے مترادف ہو گی۔ لہذا امید ہے کہ جناب والا میری معذوریوں پر رحم فرما کر مجھے معاف فرمادیں گے۔''34

جالب دہلوی:

آپ کا اصل نام سید بشارت علی تخلص جالب تھا۔ دہلی کے ایک سعادت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ 1874ء میں دہلی میں پیدا ہوئے 5 جولائی 1930ء کو لکھنؤ میں وفات پا گئے۔ شعر و شاعری میں داغ دہلوی کی شاگردی کی مولانا حالی اور چند دیگر مشاہیر علم سے عربی و فارسی پڑھی تھی مشن کالج دہلی سے ایف اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ کئی اخبارات کے ایڈیٹر رہے آخری عمر میں اپنا اخبار ''ہمت'' جاری کیا تھا۔ تحریر و تقریر پر قدرت رکھتے تھے۔ لاہور سے, 17 اگست 1902ء کو احسن مارہروی کے نام ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

''عنایت نامہ 8 ماہ حال کو شرف صدور لا کر موجب ابتہاج ہوا تھا اور حسب دستور 10 کو میں نے جواب لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر طبیعت کے یکایک بگڑ جانے اور ایک خطرناک مرض کے نمودار ہونے سے معذور رہا۔ اور آپ کو کیا کسی کو بھی جواب نہ دے سکا۔ 5،6 دن صاحب فراش رہا۔ سابقہ نیاز ناموں میں کسلمندی مزاج کی شکایت تو میں نے کی ہی تھی مگر خدانخواستہ کوئی اندیشہ ناک حالت نہ تھی صرف کام پر جی نہ لگتا تھا اور مزاج ہر وقت مکدر دماغ منتشر رہتا تھا۔ بعض طبابت پیشہ احباب سے مشورہ لیا تو انہوں نے بعد سہل مفرحات کا استعمال تجویز کیا۔ نظر بریں میں نے کام کو خیر باد کہا اور صبح اٹھ کر معمولی بازاری شربتوں کے استعمال کو کافی سمجھا۔ اس سے بھلا کیا تسکین ہوتی گھڑی دو گھڑی کے لئے کلیجہ البتہ ٹھنڈا ہو جاتا تھا طبیعت کو قوی تصفیے کی ضرورت تھی اور جب کامل تین ہفتے میں نے اس کے تقاضے پر توجہ نہ کی۔ تو اس نے علاج اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس طرح کہ ہفتے کی شام کو جو میں بازار گیا۔ تو اپنی رغبت سے ملتان کی کھجوریں جو نہایت ذائقہ دار ہوتی ہیں۔ خرید کر کھائیں اس کی تاثیر بے حد گرم اور چھکنا ناقابل ہضم ایک دوست کے اصرار سے بڑا پیالہ فالودہ کا پی لیا۔ کھجوریں گرم، فالودہ ٹھنڈا مگر اسی پر اکتفا نہ کی۔ انہیں صاحب کے یہاں کھانا کھایا جس میں تنور کی روٹی اور بازار کا چربی پڑا ہوا سالن تھا۔ چاول مٹھائی موجود تھی مگر مجھے رغبت نہیں فالودہ ہنوز پلیٹ میں موجود تھا کہ روٹی سالن میں بھیگی ہوئی پہنچی۔ عارضہ زیابطیس کے باعث رات کو نیند میں بار بار خلل آتا ہے۔ صبح کو یکایک آنکھ کھلی تو طبیعت برہم اور اجابت کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ جائز ضرورت گیا تو اتنا لمبا دست آیا کہ ہوش اڑ گئے اس میں وہ کھجوروں کے چھلکے، فالودہ کے ٹکڑے اور دال کے دانے بجنسہ موجود۔ فارغ ہو کر آیا تو پیٹ میں قراقر اسی حالت میں آنکھ لگ گئی سات بجے

اٹھا تو پھر ضرورت ہوئی اور ویسے ہی دست آیا پھر تو تار بندھ گیا۔ بخار، درد سر، اعضاء شکنی سب موجود ہو گئے اور حالت بگڑنے لگی''35؎

ایک دوسرے مکتوب 21 نومبر 1902ء میرٹھ کیمپ سے بنام احسن مارہروی میں رقم طراز ہیں:

''والد ماجد کی حالت بڑی سقیم پائی۔ پہلے آنکھ میں درد ہوا جس نے چند گھنٹے میں نصف سر، کنپٹی اور رخسار کو گھیر لیا۔ اور ایک رات گزرنے کے بعد بتاشے بتاشے برابر ابلے سر پیشانی رخسار پر نمودار ہو گئے جن کی سوزش ہر وقت مضطرب رکھتی تھی۔ حکماء نے بہتری کوشش کی مگر آبلے نہ بیٹھے اور درد بڑھتا گیا جان پر بن گ ئی ی آخر آبلوں کو کاٹ کر پانی نکال دیا گیا اور لگانے پلانے کی ادویہ سے مادہ کا ازالہ کیا گیا۔ درد ہلکا پڑا مگر بالکل دور نہ ہونے پایا اس کے بعد فوراً میں نے ڈاکٹری علاج شروع کیا اس سے قدرے افاقہ ہوا والد بدستور علیل ہیں بھاوج کو فالج مار گیا ادھر بیماری ادھر بیکاری کس کس آفت کو بھگتا جائے۔''36؎

سید سلیمان ندوی:

1884ء کو بہار کے ایک گاؤں دلینہ میں پیدا ہوئے۔ مولانا شبلی نعمانی اور دیگر اساتذہ سے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تربیت حاصل کی۔ شبلی نعمانی کی وفات کے بعد سیرت النبی کی تکمیل کی۔ نومبر 1953ء میں کراچی میں وفات پائی علامہ محمد اقبال کے ساتھ افغانستان کا دورہ بھی کیا متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں خیام اور نقوش سلیمانی زیادہ مشہور ہیں۔ 17 فروری 1923ء کے ایک مکتوب میں نواب سید علی حسن کے نام لکھتے ہیں:

''آپ سے رخصت ہو کر اعظم گڑھ پہنچا۔ یہاں بھی چند حرارت اور پھوڑے کی تکلیف رہی مگر آج اچھا ہوں پھوڑے سے بھی ریم نکل گئی اور اب صاف ہے۔ مولوی مسعود علی بھی اسی دن صبح کو الہ آباد سے آئے وہ سخت علیل ہو گئے تھے نمونیا کا خطرہ تھا۔ الہ آباد میں بروقت علاج ہوا اور اب اچھے ہیں 37؎''

مولوی عرفان کے نام 26 اکتوبر 1925ء کے ایک مکتوب میں اپنے گوناگوں امراض کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''یقین جانیے کہ رات بھر سکون سے نیند نہیں آئی گویوں بھی دماغ کی خشکی اور معدے کی خرابی کے باعث تین مہینے ہو گئے کہ نیند کی اصل لذت سے محروم ہو مگر آج کی شب تو صرف کروٹ ہی کروٹ بدلتے بدلتے گزر گئی۔ یورپ سے یہ بیماری لے کر آیا کہ کھانے کے دو گھنٹے بعد جگر سے لے کر گردے تک درد رہتا ہے علاج سے دب جاتا ہے اور پھر شروع ہو جاتا ہے اس لیے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ خاص قسم کی غذا کھائی جائے اور خاص

طریقے سے رہا جائے۔ پچھلی دفعہ عرب کے سفر نے پھر مرض پیدا کر دیا بلکہ ایک نئی مرض میں مبتلا کر دیا عرب میں گوشت عموماً دنبے کا ہوتا ہے جو میرے لئے زہر، روٹی بازاروں میں خمیر کی پکتی ہے نہایت ثقیل، سبزیاں اور ترکاریاں جو میں کھاتا ہوں وہاں نہیں ملتی پچھلی دفعہ ہندوستانی باورچی رکھا گیا مگر گوشت اور روٹی کی قسم کا وہ کیا کرتا۔ وہاں درد شروع ہو گیا تو دوا بھی بمشکل میسر آسکی۔ اینٹ کو آگ میں گرم کر کے اس سے جگر، پیٹ اور گردے کو سینک کر علاج کرتا تھا اور تسکین حاصل کرتا تھا پاخانہ کا وہاں ایسا سسٹم ہے جو ایک دائم المرض کے لئے سوھان روح ہے کہہ نہیں سکتا کہ ایک مہینے میں اس کی کیا تکلیف وہاں اٹھائی ہے اس سے ایک مرض نیا یہ لایا ہوں کے دونوں ٹانگوں کے بیچ میں کوئی رک، پٹھا یا ہڈی ہے اس میں درد ہو جاتا ہے اور اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے اور اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ اس حالت میں موٹر کی سواری پر بھی حرکت ہوتی ہے تو جان نکل جاتی ہے دماغ کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ذرا سی فکر یا کسی خیال کی آمد سے نیند جاتی رہتی ہے تین مہینے سے یہ حال ہے قلب پر یہ اثر ہے کہ بالکل افسردگی اور پژمردگی آگئی ہے۔ ذرا سا بولتا ہوں یا تقریر کرتا ہوں تو تھک جاتا ہوں اور سینا میں درد ہو جاتا ہے۔" 38؎

19 مئی 1935ء کے ایک مکتوب میں امتیاز علی عرشی کے نام لکھتے ہیں:

"صحت کی خرابی کے سبب سے اکثر سفر میں بیمار ہو جاتا ہوں۔" 39؎

12 دسمبر 1938ء کے ایک مکتوب میں زبیری کے نام لکھتے ہیں:

"آج کل مولوی عبدالسلام صاحب پر مراق کا سخت دورہ ہے۔ بیکار سے ہو رہے ہیں اس وقت بھی میری حالت صحت چند ماہ کے اندر بہت گھٹ گئی ہے۔ آشوب چشم میں مبتلا ہوں اب ایک آنکھ اچھی ہیں اسی سے کام لے رہا ہوں مجھے آپ کی علالت کی خبر مطلق نہیں ہوئی۔ عزیزی سہیل کو ایک پھوڑا نکل آیا تھا وہ پٹنہ داناپور ہسپتال میں پڑے تھے ابھی واپس آئے ہیں۔ میں اس وقت ضعف معدہ و ضعف اعصاب میں مبتلا ہوں یہاں بغرض علاج مقیم ہوں۔ مشاغل دماغی سے کلیتاً احتراز ہے۔" 40؎

خواجہ حسن نظامی:

خواجہ حسن نظامی کو مصور فطرت کہا جاتا ہے کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔1296ھ کو پیدا ہوئے اور 31 جولائی 1955ء کو انتقال ہوا۔ مصر و شام کا سفر نامہ شائع کیا غدر کے متعلق افسانے اور غدر کے متعلق بارہ کتابیں بھی لکھیں۔ خواجہ حسن نظامی کے مکتوبات مہاراجہ سر کشن پرشاد، منشی محمد دین فوق، بشیر النساء بیگم، مولانا وحید احمد اور شاہ سلیمان پھلواری کے نام جو تحریر کیے گئے ہیں ان میں اپنی بیماریوں کا ذکر بھی کرتے ہیں منشی محمد دین فوق کے نام لکھتے ہیں:

''میں بہت بیمار تھا''تاریخ کا روشن پہلو'' بیماری کے زمانے میں سرہانے رہتی تھی۔ میری صحت کا شیرازہ ایسا بکھرا ہے کہ ہر روز کوئی نہ کوئی تکلیف پیش آتی ہے بیماریوں نے اتنا زور پکڑا ہے کہ کل دوپہر سے آج سہ پہر تک کچھ نہیں کھایا اور پان چھوڑے ہوئے سات دن سے زیادہ عرصہ ہو گیا۔ میری بینائی بہت کمزور ہے۔ دائیں آنکھ سے کچھ تھوڑا سا نظر آتا ہے بائیں سے کچھ نظر نہیں آتا۔ ہر وقت ہلکا ہلکا بخار رہتا ہے گردہ، معدہ، جگر خراب ہے آنتیں بھی خراب ہیں نیند بھی کم آتی ہے کسی کام میں ترتیب اور موزونیت باقی نہیں رہی اور اس کی وجہ سے دماغی اور ذہنی اذیت میں ہر وقت مبتلا رہتا ہوں۔''41

نقوش کے مکاتیب نمبر میں مختلف ادیبوں کے لکھے گئے مکاتیب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس طرح امراض میں مبتلا رہے اور انہیں کیسے کیسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

حوالہ جات

1. تبسم،امیر مینائی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ،2008، ص22
2. محمد طفیل، نقوش مکاتیب نمبر جلد اول،ادارہ فروغ اردو ایبک روڈ انارکلی لاہور نومبر 1957ء، ص126
3. ایضاً، ص128
4. ایضاً
5. ایضاً, ص129
6. ایضاً
7. ایضاً، ص148
8. ایضاً
9. ایضاً، ص151
10. ایضاً، ص153
11. ایضاً
12. نقوش مکاتیب نمبر، ص345
13. ایضاً، ص351
14. ایضاً، ص387
15. ایضاً، ص391
16. ایضاً، ص392
17. ایضاً، ص392
18. ایضاً، ص394
19. ایضاً
20. ایضاً، ص394
21. ایضاً، ص395
22. ایضاً, ص394

23. ایضاً، ص397
24. نقوش مکاتیب نمبر، ص398
25. ایضاً، ص403
26. ایضاً، ص420
27. ایضاً، ص422
28. ایضاً، ص428
29. ایضاً، ص454
30. ایضاً، ص455
31. ایضاً، ص456
32. ایضاً، ص457
33. ایضاً، ص461
34. ایضاً، ص463
35. ایضاً، ص481
36. ایضاً، ص482
37. ایضاً، ص487
38. ایضاً، ص494
39. ایضاً، ص504
40. ایضاً، ص513
41. ایضاً، ص531